Research Journal Tahqeed تحقیقی مجلہ تحقید

جلد نمبر05، شمارہ نمبر01، جون-2024

سلطان باہو کے اقبال کی شاعری پر اثرات

SULTAN BAHU'S IMPACTS ON IQBAL'S POETRY

ڈاکٹر سیدہ طیبہ رباب

اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اردو گورنمنٹ گریجویٹ کالج برائے خواتین کارخانہ بازار فیصل آباد

ڈاکٹر جاوید اقبال

ریسورس پرسن (اردو) علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد، فیصل آباد

Dr. Syeda Tayyaba Rubab
Assistant Professor, Department of Urdu, Govt. Graduate College for Women Karkhana Bazar, Faisalabad.

Dr. Javed Iqbal
Resource Person (Urdu), Allama Iqbal Open University Islamabad, Faisalabad.

eISSN: 2789-6331
pISSN: 2789-4169

Copyright: © 2024 by the authors. This is an article open access distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

Abstract: Sultan Bahu was a great Punjabi poet.In his poetry, he emphasizes on knowledge of real love and character building. Effectiveness and meaningfulness is the special feature of kalam_Bahu.His poetry has elements of truthfulness and upright character, aversion to hypocrisy and introspection is encouraged. He has a unique and high position in Punjabi poetry. Sultan Bahu's poetry shows vastness and sophistication. He doesn't divide the human personality into material categories. Sultan Bahu's ideal person is a "dervaish" who is devoted to divine love. According to him, the external sciences are not the purpose of life.Human beings did not progress spiritually through these sciences, but obtained only material interests. Bahu taunts Hafiz and Mulla, who are hypocrites and consider themselves superior to others. He presents specific ideas of love, knowledge and self realisation.Iqbal,s poetry also has more and less the same ideas. Sultan Bahu is the milestone of the great poetic tradition that reached Iqbal. An eloquent attempt has been made in this article to examine the influence of Bahu on Iqbal.

Keywords: Self Realisation, Introspection, The External Sciences, Sarcasm, Bright Interior, Hypocrisy, Spiritual Perfection, Purity, Impacts, Universe

کلیدی الفاظ: خود شناسی، باطن بینی، ظاہری علم، طنز، روشن باطن، مکر وریا، روحانی کمال، خلوص، اثرات، کائنات

سلطان باہو عشق حقیقی کی معرفت اور کردار سازی پر زور دیتے ہیں۔ ان کی شاعری کی بنیاد وحدانیت پر ہے انھوں نے سادہ اسلوب میں گہرے عارفانہ حقائق بیان کیے ہیں۔ لفظ ھو ''کی تاثیر و معنویت کلام باہو کی خاص پہچان ہے۔''ان کی پنجابی شاعری میں بڑی مٹھاس ہے اور معرفت میں ڈوبی ہوئی ہے۔ کلام سے عشق حقیقی، حق گوئی اور راست کرداری کے جذبات ظاہر ہوتے ہیں۔ اسلوب بیان سادہ ہے اور اس میں انہوں نے تکلف اور تصنع سے کام نہیں لیا۔''[۱] سلطان باہو کے کلام میں مکر و فریب اور ریاکاری کی ناپسندیدگی نمایاں ہے۔ باقی صوفیا کی طرح ان کے ہاں بھی خود شناسی اور باطن میں جھانکنے کی تلقین موثر پیرائے میں ہے۔ وہ تصفیۂ باطن پر زور دیتے ہیں۔ پنجابی شاعری میں ان کا منفرد اور بلند مقام ہے۔ ان کے کلام میں جا بجا وارداتِ قلبی کا بیان ہے۔ صوفیانہ مسلک کی بہترین توضیح ان کے ہاں نظر آتی ہے۔ عشق حقیقی کی واردات کا بیان انتہائی موثر ہے۔ وہ روحانی سفر میں مرشد کی رہنمائی ضروری سمجھتے ہیں، عشق کا جذبہ ان کے انگ انگ میں رچا بسا ہوا ہے، اس میں مقامی رنگ بھی عیاں ہے:

اندر بوٹی مشک مچایا جاں پھلاں تے آئی ھو
جیوے مرشد کامل باہو جیں ایہہ بوٹی لائی ھو [۲]

صوفیہ وسیع المشرب ہوتے ہیں۔ تنگ نظری ان کا شیوہ نہیں، سلطان باہو کے کلام میں بھی یہ وسعت و رفعت نظر آتی ہے۔ وہ انسان اور انسانیت کے سفر کو مذہب و ملت میں مقید نہیں کرتے۔

مذہباں دے دروازے اُچے راہ ربانی موری ھو
پنڈتاں تے ملوانیاں کولوں چھپ چھپ لنگھے چوری ھو
اڈیاں مارن کرن بکھیڑے درد منداں دیاں گھوری ھو
باہو چل اُتھائیں وسیئے، جتھے دعویٰ ناں کسے ہوری ھو [۴]

سلطان باہو انسانی شخصیت کو مادی مراتب کے خانوں میں نہیں باٹتے۔ انسان کی پہچان اس کے مادی رتبے کے اعتبار سے نہیں نہ دین کا ظاہری لبادہ، کسی کی دینداری کا تعین کرتا ہے۔ سلطان باہو انسان کی قدر و قیمت، قربِ الٰہی کے سبب جانتے ہیں:

ناں میں عالم، ناں میں فاضل، ناں مفتی، ناں قاضی ہُو
ناں دل میرا دوزخ منگے نہ شوق بہشتیں راضی ہُو

سلطان باہو کا مثالی انسان درویش ہے جو عشقِ الٰہی سے سرشار ہے۔ عالم مادی کو خاطر میں نہیں لاتا۔ خود سلطان باہو بھی اسی درویشی کا نمونہ ہیں۔ جہاں مادی علوم اور ظاہری معیارات زندگی کی کوئی اہمیت نہیں۔ ریاکاری کی عبادت اس سفر میں کام نہیں آتی۔ درویش کا خلوصِ نیت اسے اللہ سے واصل کر دیتا ہے۔ یہی اس کا نقطۂ عروج ہے۔ ان کے نزدیک ظاہری علوم مقصودِ حیات نہیں۔ اس دور کے تناظر میں دیکھا جائے تو سائنس اور ٹیکنالوجی کی ساری دانش اس ذیل میں آجاتی ہے، ان علوم سے انسان نے روحانی ترقی نہیں کی۔ صرف مادی مفادات حاصل کیے ہیں۔ ان سے انسان کا باطن روشن نہیں ہوا نہ معرفتِ الٰہی کی منزل نصیب ہوئی نہ یہ علوم انسان کو بصیرت عطا کر سکے، ان کے نزدیک علم قرب الٰہی کا باعث نہ بن سکے تو لاحاصل ہے۔ سلطان باہو قرآن کے حافظ اور ملّا پر بھی طنز کرتے ہیں جو ریاکاری میں مبتلا ہیں اور خود کو دوسروں سے برتر گردانتے ہیں، درحقیقت یہ لوگ دین کو کاروبار بنالیتے ہیں، بے شک وہ محنت سے علم سیکھتے ہیں لیکن اس کو تجارت بنا کر مادی مفادات کے لیے استعمال کرتے ہیں یہ خسارے کا سودا ہے، جو وہ عدم معرفت کے سبب کرتے ہیں۔ وہ دنیاوی آسائش کی خاطر اپنا علم اور دین فروخت کرتے ہیں، جہاں بہتر دام ملے وہاں سودا کرلیا، گویا اس آیت کے مصداق ہیں:

> (اور لوگوں میں سے کوئی ایسا بھی ہوتا ہے جو (بالکل دین کے) کنارے پر (رہ کر) اللہ کی عبادت کرتا ہے، پس اگر اسے کوئی (دنیاوی) بھلائی پہنچتی ہے تو وہ اس (دین) سے مطمئن ہو جاتا ہے اور اگر اسے کوئی آزمائش پہنچتی ہے تو اپنے منہ کے بل (دین سے) پلٹ جاتا ہے، اس نے دنیا میں (بھی) نقصان اٹھایا اور آخرت میں (بھی)، یہی تو واضح (طور پر) بڑا خسارہ ہے۔)

سلطان باہو ایسی نام نہاد دینداری سے بے زار ہیں جو حصولِ علم کے بعد اپنے تئیں معتبر ٹھہرائے لوگوں کو دکھانے کے لیے، اپنا بھرم رکھنے کے لیے عبادت کی جائے۔ اپنے من کی دنیا کی خبر نہ ہو کہ اس ظاہر داری اور ریاکاری سے باطن کس قدر کھوکھلا ہو جاتا ہے اور روح مردہ ہو جاتی ہے گویا انسان کی متاعِ حیات لٹ رہی ہے لیکن وہ جھوٹ کو سچ ثابت کرنے میں مگن ہے۔ گھر لٹ رہا ہے لیکن اسے باہر کی فکر ہے۔ یہ گویا اپنے ساتھ بد دیانتی ہے یہ روح کی چوری ہے اور چوروں کو خدا نہیں ملتا، اس رویے سے انسان کا خلوص اور جذب عشق ختم ہو جاتا ہے۔ اللہ نے ہر انسان کو اپنے قرب کا شوق ودیعت کیا ہے لیکن ریاکاری

Research Journal Tahqeed تحقیقی مجلہ تحقید

جلد نمبر 05، شمارہ نمبر 01، جون-2024

سے یہ جذبہ ختم ہو جاتا ہے۔ دنیا پرستی خلوص کو ختم کر دیتی ہے۔ ریاکاری کبھی روحانی سکون کا ساماں فراہم نہیں کر سکتی اس لیے عدم اطمینان ایسے انسان کا مقدر بن جاتا ہے۔ سکون تو اللہ کی یاد سے ملتا ہے وہ یاد جو ریاکاری سے پاک ہو، ریا اور خلوص ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے، مادی مفادات کے حصول میں مگن انسان کی روحانی صلاحیت دب کے رہ جاتی ہے، یہ من کی چوری اور اپنے نفس کے ساتھ بددیانتی خاسرین کی پہچان ہے۔ جبکہ معرفت الٰہی سب سے بڑی کامیابی ہے:

عابد و زاہد ز دنیا درگزشت

ہمت عارف مکاں تا لامکاں(۸)

معرفت کے لیے انسان کو اپنا تن، من، دھن، روح اور جسم سب اللہ کے لیے وقف کرنا پڑتا ہے۔ سلطان باہو ایسے علم کو بھی سوہانِ روح سمجھتے ہیں جو حکمرانوں کو خوش کرنے کے لیے حاصل کیا جائے، جس کے بل بوتے پر حاکمانِ وقت کسی کا استحصال کریں، جیسے آج کل بیوروکریسی کا علم ہے، یہ علم بار آور نہیں:

آکھ چنڈورا ہتھ کی آئیو ایس انگوری پھڑیاں ھُو

ہک دل خستہ رکھیں باھُو لہیئں عبادت وریہاں ھُو (۹)

جو علم انسان کو مقتدر طبقوں کا غلام بنادے، اس میں انسان کی ذلت و رسوائی ہے، جس طرح خراب دودھ سے مکھن نہیں نکلتا اسی طرح یہ علم بھی درویش کے شایانِ شان نہیں۔ یہ علم محض سوزِ دماغ ہے، دل و روح سے بے بہرہ، اس علم کی قسمت میں درد نہیں، درد تو سوزِ عشق سے ملتا ہے جو نہ صرف صاحبِ درد بلکہ پوری انسانیت کے لیے نافع ہے۔ یہی اولیا کا مقصود ہے، یہی درد انسان کو دردمند بناتا ہے۔ جو سوزِ زندگی بن کر انسان کے ساتھ رہتا ہے۔ اقبال کہتے ہیں:

زندگی کچھ اور شے ہے علم ہے کچھ اور شئے

زندگی سوزِ جگر ہے، علم ہے سوزِ دماغ(۱۰)

ظاہری علوم دینی ہوں یا دنیوی سلطان باہو کے نزدیک، انسان میں تکبر پیدا کرتے ہیں۔ انسان راہِ ہدایت کو بھول جاتا ہے۔ خود فریبی کے باعث انسان اپنے مقام سے گر جاتا ہے اور عقل بھی حقائق کو نہیں سمجھ پاتی۔ اس کا علم لاحاصل رہتا ہے۔ زندگی کے اسرار معلوم کرنے کے لیے عشق کی ضرورت ہے۔ عشق میں جنوں کا سودا، عاشق میں ایسی تڑپ پیدا کرتا ہے کہ وہ اپنی جاں سے گزر کر بھی اسرارِ حیات پالیتا ہے۔ محبت کے بازار میں عشق و روح کا سودا درویش کا مقصود ہے۔ سلطان باہو عشق کی

علم پر برتری ثابت کرتے ہیں۔ علم مادی مفادات کو مد نظر رکھتا ہے جبکہ عشق نفع و ضرر سے ماوریٰ ہے۔ علم و عشق میں کوئی میل نہیں، دونوں کا میدان الگ ہے۔ عشق میں عظمت ہے، عشق صوفیانہ شاعری کا مرکز و محور ہے۔ سلطان باہو کہتے ہیں:

عشق عقل وچ منزل بھاری سیائیں کوہاں دے پاڑے ہُو

جنہاں عشق خرید نہ کیتا باہو دوہیں جہانیں ماڑے ہُو (۱۱)

علم کی ہزاروں کتابیں پڑھ کر عالم بنتا ہے لیکن عالم ضروری نہیں کہ عشق کی رمزیں جانتا ہو، عموماً عالم عشق سے نابلد ہوتا ہے، عشق نورِ بصیرت ہے۔ خالی علم اندھیروں میں بھٹکنے کے مترادف ہے۔ علم عقل کا متقاضی ہے اور عشق جذبے کا، علم سے عشق تک کا سفر بہت کٹھن ہے کئی مراحل سر کرنا پڑتے ہیں۔ سلطان باہو سمجھتے ہیں جس نے عشق نہیں کیا وہ خسارے میں رہا۔ عالم فاضل معلومات کے ذخیرے کو کافی سمجھتے ہیں اور اسرارِ حیات سے ناواقف رہتے ہیں۔ عشق سے انسان کے باطن کے بھید آشکار ہوتے ہیں۔ عشق منزل بھی ہے، اگلی منزل کا تعین بھی کرتا ہے اور قوتِ حیات بھی ہے جو منزل کی طرف گامزن رکھتا ہے۔ عشق نورِ حیات بھی ہے جو ظلمات کا سینہ چاک کر کے نورِ سحر کی نوید دیتا ہے۔ عشق علم کو عمل میں ڈھالتا ہے۔ عشق لازوال ہے۔ اس کی تاثیر صدیوں کو محیط ہے، جبکہ علم تاثیر سے محروم ہے، عشق بصیرت ہے۔ علم بصارت، علم سمندر میں غوطہ زنی نہیں کر سکتا اس لیے گوہر مقصود کو نہیں پا سکتا۔ علم کا دائرہ کار اور دائرۂ اثر، عشق سے بہت مختلف ہے۔ علم عام ہے اور عشق خاص، عالم کوئی بھی ہو سکتا ہے جبکہ عاشق کا انتخاب محبوب کرتا ہے۔ عشق منتخب اور برگزیدہ ہے۔ علم عقل کے تابع ہے۔ عقل محدود ہے جہاں عقل کا دائرہ کار ختم ہو جاتا ہے۔ اس سے کہیں آگے عشق کا پہلا قدم اُٹھتا ہے۔ عشق اقدارِ عالیہ اور مقاصد ارفع کا امین ہے۔ علم ظاہر پرستی سے مزین ہے اور مادی طاقت کا غلام ہے۔ عشق آزاد ہے اور مردِ حُر کا انتخاب کرتا ہے۔ اقبال کہتے ہیں:

اس زمین و آسماں کو بے کراں سمجھا تھا میں (۱۲)

سلطان باہو کے نزدیک علم، روح کی ارزانی ہے، علم خود پسندی پیدا کرتا ہے جو کہ شر کا جال ہے، عشق پاکباز اور مقربِ الٰہی ہے۔ علم اور عشق کا موازنہ کرتے ہوئے سلطان باہو کہتے ہیں:

جے کر دین علم وچ ہوندا، تاں سر نیزے کیوں چڑھدے ہُو

اٹھارہ ہزار جو عالم آہا اوہ اگے حسینؓ دے مردے ہُو

جے کجھ ملاحظہ سرورؐ دا کردے تاں خیمے تمبو کیوں سڑدے ہُو

جیکر مندے بیعت رسولی تاں پانی بند کیوں کر دے ہُو
پر صادق دین تنہاں دے باہو جو سر قربانی کر دے ہُو (۱۳)

دین اگر علم میں ہوتا تو اہلِ بیتؑ کو شہادت نہ پیش کرنا پڑتی۔ اُن کے سر نیزوں پر نہ چڑھتے، جو فوجِ یزید میں اٹھارہ ہزار عالم تھے اگر ان کے پاس حقیقی علم ہوتا، معرفت ہوتی تو وہ امام حسینؑ کے لیے موت قبول کر لیتے۔ اگر انہیں رسول اللہ ﷺ کی بیعت کا خیال ہوتا، سچے دل سے اقرارِ رسالت کیا ہوتا تو وہ اہلِ بیتؑ کا پانی کیوں بند کرتے۔ دین میں سچے وہی ہیں جو سر قربان کر دیتے ہیں۔ سلطان باہو رٹے رٹائے کھوکھلے علم کی اصلیت آشکار کر رہے ہیں جو عمل میں نہیں ڈھلتا، کردار کی طاقت نہیں بنتا، محض دکھاوے کا علم ہے، اسے دین سے کوئی واسطہ نہیں، یہ بے بصیرت، اہلِ حرص و ہوس کا علم ہے، جنہیں دین کی معرفت نہیں، یہ علم شخصیت سازی میں معاون نہیں نہ آخرت میں سود مند ہے۔ اس کا مقصود محض دکھاوا اور دین کے نام پر مادی مفادات حاصل کرنا ہے جبکہ عشق تہذیبِ دین سکھاتا ہے۔ اقبال کہتے ہیں:

اصل تہذیب است دیں   دین است عشق (۱۴)

عشق کا مقام بہت بلند ہے، عشق جذبِ شہادت عنایت کرتا ہے۔ امام حسین علیہ السلام تاریخ شہادت میں سب سے ارفع مقام رکھتے ہیں، جو عشق کے باعث ہے۔ اقبال امام حسینؑ کو "مرکزِ پرکارِ عشق" اور "قافلہ سالارِ عشق" کے القابات سے یاد کرتے ہیں۔ علما، فقہا، حفّاظ، امام حسینؑ کے مقام کا عرفان نہیں رکھتے تھے، اس لیے کہ انہوں نے اقلیمِ عشق میں قدم نہیں رکھا تھا، جو خود اپنی ذات کا عرفان حاصل نہ کر سکے وہ کسی برگزیدہ شخصیت کا عرفان کیسے حاصل کر سکتا ہے، عرفانِ ذات، عشق کے باعث نصیب ہوتا ہے، وہ عشاق نہ تھے، مال و زر کے حریص تھے، اسی بنا پر امام حسینؑ بن علیؑ کا ساتھ نہ دے سکے ورنہ امامؑ یوں مظلوم شہید نہ ہوتے، وہ سب بظاہر مسلمان تھے لیکن رسول اللہ ﷺ کی بیعت کا پاس نہ کر سکے کہ وہ ظاہری علوم کے سبب حاکم وقت اور لشکر و سپاہ کے آلہ کار بن گئے اور درہم و دینار کے عوض بک گئے ورنہ ناموسِ رسالت کا پاس کرتے، اور اہلِ بیتؑ کا پانی بند نہ ہوتا، یہ بدبختی، مادہ پرستی کے باعث اُن کے حصے میں آئی۔ سلطان باہو کے نزدیک عشق پاکیزہ روح کی ترجمانی کرتا ہے اور علم ریاکاری کی، عشق کے مقاصد اعلیٰ و ارفع ہیں۔ اقبال کہتے ہیں:

عشق اگر فرماں دہد از جانِ شیریں درگزر
عشق محبوب است و مقصودِ جاں مقصود نے (۱۵)

Research Journal Tahqeed تحقیقی مجلہ تحقید

سلطان

باہو کے نزدیک

عشق درد عطا کرتا ہے جو صاحبِ عشق نہیں وہ صاحبِ درد بھی نہیں، درد اور دل کا چولی دامن کا ساتھ ہے اور دل عشق کا مسکن، گویا جنونِ عشق ہی درد مند بناتا ورنہ تو انسان پتھر سے بھی بدتر ہے۔ وہ دل جو صاحبِ جنوں نہیں، راندۂ درگاہ ہے، اسے کبھی حضوری نصیب نہیں ہوتی۔

جیں دل عشق خرید نہ کیتا، سو دل سخت نہ بختی ہُو
ازل استاد نے سبق پڑھایا، ہتھ دتس دل تختی ہُو
بر سر آیاں دم ناں ماریں، جاں آوے سر سختی ہُو
پڑھ توحید ہو واصل باہو، سبق پڑھیوے وقتی ہُو (۱۶)

صوفیا کرام انسانیت کی سب سے اعلیٰ قدر، عشق کو جانتے ہیں۔ عشق کا تعلق روح سے ہے۔ انسان اور حیوان میں حدِ فاصل عشق ہی ہے۔ عشق جاں نثاری و وفاداری سکھاتا ہے۔ عشق میں جاں کی بازی لگانا عشّاق کے لے باعثِ ناز ہے۔ یہ عشق کی عظمت ہے کہ وہ سود و زیاں سے ماوریٰ، صدق و صفا اور اخلاصِ جاں سے سر کی بازی لگاتا ہے، یہی عشق کی زندگی کا راز ہے اور یہی اس کی سعادت کا مظہر:

ببازی عشق می بازم سرِبازار سر بازم
رہِ مرداں صفا سازم سرِبازار سر بازم
بہ میداں اسپ می تازم توئی واقف نہ از لازم
چنیں نازیست می نازم سرِبازار سربازم
زجام عشق می خُوردم زہستی خویش خود مردم
سعادت گوئے خود بُردم سرِبازار سربازم (۱۷)

فطرت نے روزِ ازل ہی عشق کا سبق پڑھا دیا تھا جسے وعدۂ الست کی صورت، انسان وفا کر رہا ہے۔ جس قدر ارفع صورت میں انسان یہ وعدہ وفا کرتا ہے اسی قدر عشق کے مراحل سَر ہوتے چلے جاتے ہیں۔ انسان روحانی ارتقا سے گزرتا ہے تو اسے مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے جسے شعرا صحرا انوردی، کوہکنی اور دشت نوردی سے تعبیر کرتے ہیں، سلطان باہو مشکلات میں استقامت، عشق کی شان سمجھتے ہیں۔ ان سختیوں سے گزر کر ہی انسان مقرّب بنتا ہے۔ عشق انسان کو واحدانیت اور توحید پرستی سکھاتا ہے، اس لیے کہ عشق دوئی کو برداشت نہیں کرتا۔ توحید پرستی کی بدولت سلطان باہو جیسے انسان میسر آتے ہیں جو زمانے

کے بھید پالیتے ہیں

وقت کی لگام تھام

کر ماوریٰ زمان ہو جاتے ہیں۔ زمانے کے ظالم تھپیڑے انہیں بہالے جانے کی قوت نہیں رکھتے، عشق نے انہیں خام سے پختہ بنادیا ہے۔ اقبال کہتے ہیں:

تند و سبک سیر ہے گرچہ زمانے کی رو
عشق خود اک سَیل ہے سَیل کو لیتا ہے تھام (۱۸)

سلطان باہو کے نزدیک عشق حضوری عطا کرتا ہے۔ صرف سلطان باہو نہیں، تمام صوفیا اسی نظریہ پر کار بند ہیں۔ حضوری سے مراد ہے خلق سے غافل ہو کر اللہ کے سامنے حاضر رہنا۔ سلطان باہو سمجھتے ہیں کہ جسے عشق میں حضوری کی کیفیت نہیں ملی گویا وہ اللہ کی درگاہ سے رد کر دیا گیا ہے۔ "جو دم غافل سو دم کافر" کا بھی یہی مفہوم ہے جو حضوری سے غافل ہو گیا سو وہ لمحہ گویا کفر کا لمحہ تھا۔ عشق نہ صرف وقت کے چیلنج کو قبول کرتا ہے بلکہ اس پر غالب آنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے۔ اس لیے کہ عشق جرأت مند، دلیر اور سخت کوش ہے۔ عشق لا الٰہ الا اللہ کی تفسیر ہے، یہ غیر اللہ کے آگے نہیں جھکتا، حضوری کے باعث محبوب حقیقی کی عنایات اس پر براہِ راست برستی ہیں جن سے وہ کائنات کو فیض یاب کرتا ہے، وہ خلق سے بے گانہ ہوتے ہوئے بھی خلق کے لیے بارانِ رحمت ہے۔ عشق جاں سوز ہے، اس کا سوزِ دروں خس و خاشاک کو جلا کر خاکستر کر دیتا ہے۔ عشق خود سوز ہے اور عاشق کو سراپا سوز بنادیتا ہے:

بیا ای عشقِ جاں سوزاں کہ من خود را بتو سوزم
اگر سوزی وگر نہ من یقیں خود را بتو سوزم
خس و خاشاک می سوزی درونِ خویش میجوشی
کنوں مارا شدی روزی ، بیا خود را بتو سوزم (۱۹)

عشق ایک آگ ہے جو عاشق کو جلا ڈالتی ہے، اس کی ہڈیاں جل جاتی ہے، عشق جگر کاوی ہے، عاشق کے دل و جگر کباب بن جاتے ہیں، عشق دیوانگی ہے، وحشت ہے، نالۂ پُر سوز ہے، آہِ رسا ہے جو کسی کسی کو نصیب ہوتا ہے۔ سلطان باہو کہتے ہیں:

ہوئے ہزاراں عاشق باہو عشق نصیب کہیندے ہو (۲۰)

اقبال کا عشق بھی جگر کاوی و جگر سوزی ہے۔ اقبال کا نالہ آتش ناک ہے، یہی آتش نوائی ان کی زندگی کا سامان ہے۔ یہ سوز ان کی شاعری میں زندگی بن کر رواں دواں ہے:

Research Journal
Tahqeed تحقیقی مجلہ تحقید

جلد نمبر05، شمارہ نمبر01، جون-2024

پھونک ڈالا ہے مری آتش نوائی نے مجھے
اور میری زندگانی کا یہی ساماں بھی ہے (۲۱)

صوفیا تعصب سے پاک، انسان دوست، فرقہ بندی سے کوسوں دور ہوتے ہیں، وسعتِ فکر و نظر ہماری صوفیانہ شاعری کا طرۂ امتیاز ہے۔ فقر و درویشی میں تنگ نظری اور فرقہ پرستی کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی، یہاں باطن کی پاکیزگی میزان ہے۔ سلطان باہو کہتے ہیں:

درویشی میں فرقہ پرستی محض دل جلانے کا سامان ہے۔ جس سے دل تنگ ہوتا ہے اور نظر کوتاہ، یہ تو خشکی کا سفر ہے کہ فرقہ وارانہ بحث میں الجھے رہو جبکہ سلطان باہو غریقِ دریائے رحمت ہیں جو پاک طینت لوگوں کا نصیب ہے۔ اقبال نے بھی فرقہ پرستی کی مخالفت کی ہے۔ اتحادِ امت میں وہ ملت کی فلاح وکامرانی دیکھتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ حمید اللہ شاہ ہاشمی، پنجابی زبان وادب، کراچی: انجمن ترقی اُردو، ۱۹۸۸ء، ص:۱۲۹

۲۔ سلطان باہو، حضرت، ابیاتِ باہو، لاہور: پروگریسو بکس، ۱۹۹۴ء، ص:۳۰

3. Anne Marie Press, 1975, P:

۴۔ سلطان باہو، ابیاتِ باہو، ص:۶۱

۵۔ ایضاً، ص:۶۳

۶۔ سورہ حج، آیت:۱۱

۷۔ سلطان باہو، ابیاتِ باہو، ص:۱۴

۸۔ سلطان باہو، دیونِ باہو (فارسی)، مرتب: ڈاکٹر سلطان الطاف علی، لاہور: حضرت سلطان باہو اکیڈمی، ۱۹۹۱ء، ص:۶۰

۹۔ سلطان باہو، ابیاتِ باہو، ص:۱۳

۱۰۔ اقبال، کلیاتِ اقبال (اُردو)، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۹۰ء، ص:۵۹۲/۹۲

۱۱۔ سلطان باہو، ابیاتِ باہو، ص:۱۴

۱۲۔ اقبال، کلیاتِ اقبال (اُردو)، ص:۳۵۵/۳۱

۱۳۔ سلطان باہو، ابیاتِ باہو، ص:۲۵

۱۴۔ اقبال، کلیاتِ اقبال (اُردو)، ص:۵۳۳/۳۳

۱۵۔ ایضاً، ص:۴۲۴/۱۰۰

۱۶۔ سلطان باہو، ابیاتِ باہو، ص:۲۱

۱۷۔ سلطان باہو، دیونِ باہو (فارسی)، ص:۳۸

۱۸۔ اقبال، کلیاتِ اقبال (اُردو)، ص:۴۲۰/۹۶

۱۹۔ سلطان باہو، دیونِ باہو (فارسی)، ص:۳۴

۲۰۔ ایضاً، ص:۵۶

۲۱۔ اقبال، کلیاتِ اقبال (اُردو)، ص:۲۲۰/۲۰۴

۲۱۔ سلطان باہو، ابیاتِ باہو، ص:۶۳